

روزوں کی حکمت

شاہ ولی اللہؒ

انسان کی خواہشات نفس اور اس کی حیوانی قوت کا اظہار کھانے پینے اور شہوانی لذتوں میں مصروف رہنے کے باعث ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی ملکوتی صفات مغلوب رہتی ہیں اور نتیجتاً خدا سے غفلت اور حدود اللہ سے لاپرواہی پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ ادیان سابقہ نے بھی اس کمزوری کے تدارک کے لیے مخصوص احکام مقرر کیے تھے جن کا مقصد یہ رہا ہے کہ انسان کی حیوانی صفات کو اس کی ملکوتی صفات کے تابع کر دیا جائے تاکہ وہ ملائکہ کے رنگ میں رنگ جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ایک ہی راہ ہے، وہ یہ کہ انسان کی قوت ملکیہ جن باتوں کا تقاضا کرے، اس کی اطاعت کی جائے اور بار بار کی جائے یہاں تک کہ انسان کو اس اطاعت کی پوری مشق ہو جائے۔

یہ ایسے امور ہیں جن سے روح کو خوشی اور سرور حاصل ہوتا ہے کیونکہ ان سے ملائکہ کے ساتھ نسبت پیدا ہوتی ہے اور ان چیزوں کا ترک کرنا جن کا انسان کی حیوانی فطرت تقاضا کرتی ہے، ان سے ملاء اعلیٰ کے ساتھ مناسبت اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی پر معرفت حاصل ہوتی ہے۔ یہ اعلیٰ صفات صرف روزہ ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ چونکہ ان امور کا التزام عوام الناس کے لیے باوجود ضروری تدابیر اختیار کرنے کے ممکن نہ تھا، کیونکہ وہ مال اور اہل و عیال میں مشغول رہتے ہیں، اس لیے یہ امر ضروری ہوا کہ وقفے وقفے سے ایک مقررہ وقت میں روزوں کا التزام فرض کر دیا جائے تاکہ ملکوتی صفات کے حصول سے فرحت اور خوشی حاصل ہو اور اس سے پیشتر جو کوتاہی سرزد ہوئی ہو، اس کا مداوا ہو جائے۔ اور اس کی حالت اس گھوڑے کی سی ہو جائے جس کا رسہ کسی کھونٹے سے بندھا ہوا ہو اور وہ دائیں بائیں گھوم پھر کر واپس اپنے کھونٹے کی طرف لوٹ آئے۔

یہ بات طے ہو جانے کے بعد کہ روزے ہی کے ذریعے مذکورہ بالا صفات کا حصول ممکن ہے یہ بھی ضروری ہوا کہ اس عبادت کی مقدار مقرر کی جائے اور اس کو لوگوں کی صوابدید پر نہ چھوڑ دیا جائے تاکہ کوئی شخص اس میں افراط و تفریط نہ کر سکے۔ رزق تفریط کرنے والے اس عبادت میں اتنی تخفیف کر دیتے جو

حصول مقصد کے لیے کافی نہ ہوتی اور اس سے متوقع نفع حاصل نہ ہوتا۔ اسی طرح افراط کرنے والے اس میں اتنی شدت برتتے اور اضافہ کرتے کہ انسان کے اعضا و جوارح اس کے متحمل نہ ہوتے اور روزوں کا سرور و نشاط جاتا رہتا اور انسان اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتا۔

روزہ دراصل ایک تریاق ہے جو نفس انسانی کے زہریلے اثرات کو زائل کرنے میں کام آتا ہے۔ ظاہر ہے اس سے انسانی جسم کو تکلیف بھی برداشت کرنا پڑتی ہے۔ چنانچہ یہ مناسب تھا کہ بقدر ضرورت صحیح مقدار مقرر کر دی جائے۔ کھانے پینے میں کمی کرنے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ صرف تھوڑی سی مقدار میں کھایا اور پیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ کہ دو کھانوں کے درمیان عام عادت سے زیادہ لمبا وقفہ کر دیا جائے۔ شارع نے دوسرے طریقے کا انتخاب کیا۔ اس لیے کہ یہ طریقہ انسان کو کمزور کرتا ہے اور اسے تھکاتا ہے اور عملاً بھوک پیاس کا مزہ چکھاتا ہے۔ اگرچہ پہلے طریقے میں بھی کمزوری ہو جاتی ہے لیکن نفس کو اس کی پروا نہیں ہوتی حتیٰ کہ انسان بالکل نڈھال ہو جائے۔ پھر اس میں مقدار کا تعین بھی مشکل ہوتا ہے کیونکہ ہر شخص کی خوراک مختلف ہوتی ہے۔ کچھ لوگ عادتاً زیادہ کھاتے ہیں اور کچھ کم کھاتے ہیں۔ البتہ کھانوں کے درمیان وقفہ کرنے پر عرب و عجم اور تمام سلیم المزاج لوگوں کا اتفاق ہے اور سب لوگ دو وقت یعنی صبح و شام کھاتے ہیں یا صرف ایک بار ہی کھاتے ہیں۔ پہلے طریقے میں ایک قباحت یہ بھی ہے کہ اگر کھانے کی مقدار لوگ خود مقرر کریں۔ تو یہ بات شریعت کے مقصد کے خلاف ہوتی۔ مثل مشہور ہے کہ جس نے بھیڑیے کو چرواہا بنایا اس نے ظلم کیا۔

جب دوسرا طریقہ ہی موثر تدبیر ہے تو درمیانی وقفے کا تعین بھی ضروری ہوا۔ ظاہر ہے یہ وقفہ اتنا طویل بھی نہ ہو جو باعث ہلاکت ہو جائے، مثلاً تین دن اور تین راتیں مسلسل روزہ رکھنا۔ ایسا کرنا شریعت کے مقصد کے خلاف ہوتا اور عام لوگ اس کے کلف نہیں ہو سکتے تھے۔ اور مقصد یہ بھی ہے کہ بھوکا رہنا بار بار اور مسلسل ہوتا کہ مشق و اطاعت کی عادت ہو جائے۔ ورنہ محض ایک بار ہی بھوک کی تکلیف برداشت کرنا چاہے وہ کتنی ہی شدید کیوں نہ ہو، مفید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ وقفے کی میعاد ایسی ہو جسے ہر کس و ناکس سمجھ سکتا ہو اور اس کا متحمل ہو سکتا ہو۔

ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے پورے ایک ماہ کے لیے روزانہ سارا دن کھانے پینے اور مباشرت سے رکے رہنے کا حکم دیا گیا۔ اس لیے کہ ایک دن سے کم مقدار کا مقرر کرنا ایسا ہے جیسے دوپہر کے کھانے کو کچھ دیر کر کے کھایا جائے۔ اگر روزہ صرف رات ہی کا ہوتا تو سب لوگ اس کے عادی ہیں۔ اس کی لوگوں کو پروا نہ ہوتی۔ اسی طرح ایک ہفتہ یا دو ہفتے از حد قلیل مدت ہے جو موثر نہیں اور دو ماہ کی مدت اتنی طویل ہے جس سے آنکھیں دھنس جاتی ہیں اور انسان بالکل نڈھال ہو جاتا ہے۔ ہم نے بے شمار مرتبہ اس کا تجربہ کیا ہے۔

دن کے تعیین کے لیے طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقت مقرر کیا کیونکہ عربوں کے ہاں اس کو دن شمار کرتے ہیں۔ عاشورہ کے دن اس حساب سے ان میں روزہ رکھنے کا دستور تھا۔ اور مہینے کے لیے ایک چاند سے دوسرے چاند تک کی مدت شمار کی، یہ بھی عرب رواج کے مطابق ہے۔

جب عرب و عجم اور عوام الناس کی اصلاح مقصود ہوئی تو اس امر کی بھی ضرورت ہوئی کہ اس مہینے کا انتخاب لوگوں کی رائے پر نہ چھوڑ دیا جائے کہ ہر آدمی اپنے لیے وہ مہینہ چن لے جس میں اسے روزہ رکھنا آسان ہو۔ اس لیے کہ ایسا کرنے میں عذر کرنے اور بچ کر نکل جانے کا دروازہ کھل جاتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اس طرح اسلام کی عظیم ترین عبادت گمناہی میں جا پڑتی۔

یہ بات کہ تمام دنیا کے مسلمان ایک ہی وقت پر یکساں طور پر اس عبادت پر کاربند ہوں، اس سے یہ عبادت ان پر آسان ہو جاتی ہے اور اس پر عمل کرنے کی ان میں ہمت پیدا ہوتی ہے۔ نیز مسلمانوں کی یہ اجتماعی عبادت جس میں ہر خاص و عام شامل ہو، اس بات کا سبب بنتی ہے کہ ان پر ملاء اعلیٰ سے برکات نازل ہوں۔ ان میں جو کاملین ہیں ان کے انوار اور دعاؤں سے کم درجے کے لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں۔ اس عبادت کے لیے جس ماہ کا انتخاب کیا وہ وہی ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔ اس سے زیادہ مناسب کوئی اور مہینہ نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں ملت مصطفویہ کی تکمیل ہوئی اور شب قدر کا بھی اس مہینے میں پائے جانے کا قوی احتمال ہے۔

اس مہینے کا ایک درجہ جو ہر ایک کے لیے لازم ہے اور ممکن بھی ہے، وہ روزے رکھنا اور پانچوں وقت کی نماز ادا کرنا ہے۔ چنانچہ مروی ہے: جس نے عشا کی اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اس نے گویا قیام اللیل کیا۔ دوسرا درجہ پہلے سے کسیت اور کیفیت میں اعلیٰ ہے، وہ یہ کہ رمضان کی راتوں میں قیام کرے اور زبان اور تمام اعضا کو گناہوں سے پاک رکھے۔ رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ ماہ شوال میں چھ روزے، ہر ماہ میں تین روزے، عاشورہ اور عرفہ کے دن کے روزے رکھے اور رمضان کے آخری عشرے میں اعکاف کرے۔

(انتخاب از حجۃ اللہ البالغہ، تدوین: عبدالرشید صدیقی)